

# رسائل و مسائل

## بے اصل فتنے

کلکتہ سے ایک صاحب لکھتے ہیں :-

وچند امور متعلقہ تفسیر قرآن نے بکثرت لوگوں کو حلقہ شاد میں ڈال رکھا ہے۔ ایک تفسیر لکھی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کے عقائد کے خلاف ہے اور الحاد و دھرتی کی جنوب ہے۔ چند آیات کی تفسیر بطور نمونہ اس کتاب سے نقل کرتا ہوں اور اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ بھی مختصراً بیان کیے دیتا ہوں۔ معتزین اس کتاب کے مصنف کی تکفیر کرتے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ ایک فیصلہ کن بحث کر کے بتائیں کہ آیا ان میں کوئی چیز موجب کفر ہے یا الحاد و دھرتی ہے ؟

(۱) - وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ يَا بَرَاءُ إِنِّي اجْعَلُ لَكَ آيَةً لَئِنْ كُنْتَ إِتَّقِي اللَّهَ لَأَجْعَلَ لَكَ مِنَ الْعَالَمِ مَا تُرِيدُ (البقرہ - ۱۲۵)

تفسیر۔ خط کشیدہ فقرے کا مطلب یہ ہے کہ چار پرندے لے لو اور انکو اپنی طرف مائل کرو یعنی اپنے سے اس طرح مانوس کرو کہ جب تم انہیں چھوڑ دو تو وہ تمہاری طرف پلٹ کر آئیں۔ پھر ان کا ایک ایک جبر ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو۔

اعتراض۔ مفسر نے مندرجہ بالا الفاظ میں معجزہ ابراہیمی کا انکار کیا ہے۔

(۲) - إِنَّا نَحْنُ الْجِبَالُ مَعَهُ يُسَبِّحُنَّ بِالْحَمْدِ وَالْإِشْرَاقِ وَالطَّيْرُ مَحْسُورَةٌ كُلٌّ لَكَ آيَاتٌ (ص - ۲)

تفسیر۔ حضرت داؤد جب پہاڑوں اور پرندوں کو دیکھتے تو ان کو خدا یاد آتا۔

اعتراض۔ اس تفسیر میں نچیریت کا رنگ غالب ہے۔ متعدد آیات قرآنی کا مندرجہ بالا معانی سے انکار

لازم آتا ہے۔ قرآن کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے ساتھ مشغول تسبیح ہوا کرتے تھے

(۳) وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِمَّا قُضِيَ لَآبِجَالٍ أَوْبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ مِمَّا نَالَهُ لِحَدِيدٍ (سبا - ۲)

تفسیر۔ الناله الحديد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہا نرم کر نیکاطریقہ سکھا دیا تھا۔

اعتراض۔ سلف کی تفسیر کے خلاف ہے۔ سلف کا قول یہ ہے کہ لوہا حضرت داؤد کے ہاتھ میں آٹے کی

طرح نرم ہو جاتا تھا۔

(۴) كَلَّمَآدَخَلَ عَلَيْهَا الْجُرَابُ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَوْمَ يَعْمُرُنِي لَكَ هَذَا أَقَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (ال عمران - ۴)

تفسیر۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اس رزق کو اللہ کی بخشش کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ اس آیت میں کوئی

دلیل اس پر نہیں ہے کہ حضرت مریم کو گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ملتا تھا۔

اعتراض۔ یہ سلف کی تفسیر کے خلاف ہے۔

(۵) - وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَابِ (اعراف - ۱۷)

تفسیر۔ مطلب یہ ہے کہ ”ہم نے ان احکام کو الواح میں لکھنے کا حکم دیا۔“

اعتراض۔ بخاری کی روایت و خط لك التوراة بیداء کی تکذیب ہوتی ہے۔

(۶) - وَشَهِدَ شَاهِدًا مِّنْ أَهْلِهَا (يوسف - ۳)

تفسیر۔ یعنی اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اعتراض۔ حضرت ابن عباس کی تفسیر کہ وہ شاہد بیچہ تھا کی تکذیب ہے۔

(۷) - يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ مِنَ الْعِلْمِ (۲۰)

تفسیر۔ یعنی جب موت کا دن آئیگا۔

اعتراض - امام احمد بخاری اور سلم کی روایات سے ثابت ہے کہ اس سے وہ دن مراد ہے جب سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ یہ تفسیر اس روایت کے خلاف ہے۔

(۸) يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (ابراہیم - ۲۷)

تفسیر - اللہ توحید کی برکت سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں مومنوں کو ثبات بخشنے گا۔

اعتراض - یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے جس میں ثبات سے مراد یہ بتائی گئی ہے کہ قبر میں جب مومن سے

سوال ہوگا تو وہ اشهد ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ کہے گا۔

(۹) - وَ الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ (طور - ۱)

تفسیر - بیت معمر سے مراد مساجد ہیں۔

اعتراض - یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں تصریح کی گئی ہے کہ البیت المعمر ساتویں آسمان

پر ہے۔

ترجمان القرآن - یہ ایک نمونہ ہے ان فضول، لایعنی اور لا طائل محکموں کا جن میں ہمارا اکثر و بیشتر

علماء دین نہ صرف خود اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے ذہن کو بھی اس بری طرح الجھا رہے ہیں

کہ ان غریبوں کو دین کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ان لوگوں کی

دنیا تنگ اور محدود ہے، اور اس تنگ دنیا میں بیٹھے ہوئے یہ سمجھ رہے ہیں کہ انکی اور ساری دنیا کی فلاح کا

مدارس اس قسم کے سوالات پر ہے کہ حضرت مریم کو گرمی کا میوہ چارٹے میں ملتا تھا یا نہیں، اور وہا حضرت

داؤد کے ہاتھ میں آتے ہی موم بن جاتا تھا یا نہیں۔ کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ انہیں ان کے مجروں کی

تنگ دنیا سے نکال کر خدا کی وسیع دنیا کا مشاہدہ کرایا جاتا اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ وہ حقیقی مسائل

کون ہیں جن پر نوع انسانی کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے، اور وہ مہمات امور کون سے ہیں جن

پر قوموں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔

سب سے بڑھ کر افسوسناک امر یہ ہے کہ ان مسائل میں مغز پاشی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ہمارے دین کے عالم اور ملت اسلامیہ کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ مسلمان ان کی طرف اس لیے رجوع کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے دین کا علم ملیگا۔ اور دنیا ان کو اس نظر سے دیکھتی ہے کہ یہ اس دین کے نمائندے ہیں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ ایسی اہم ذمہ داریاں پوزیشن پر نہیں ہو کر جب یہ اُس قسم کے مسائل پر زبان و قلم کا زور صرف کرتے ہیں جن کا ایک چھوٹا سا نمونہ اوپر کے سوال میں پیش کیا گیا ہے تو مسلمان اور غیر مسلم سب اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اسلام کے مہمات مسائل ہی کچھ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمگیر دائمی نبوت کے اتنے عظیم الشان منصب پر مقرر کر کے اسی لیے بھیجا ہو گا کہ آپ ان مسائل کا تصفیہ فرمائیں۔ اور یہ اسلام جو ساری دنیا کو راہ راست دکھانے اور دین و دنیا کی سعادت بہرہ ور کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے، اسکے اہم ترین مسائل — ایسے اہم جن پر مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے — بس یہی ہونگے کہ یوسف علیہ السلام اور امراة العزیز کے قضیہ میں فیصلہ کرنے والا بچہ تھا یا جوان، اور حضرت موسیٰ کو اللہ میاں نے اپنے ہاتھ سے توراہ لکھ کر دی تھی یا نہیں۔ نوحؑ باللہ من ذالک۔ اگر یہی اسلام ہے جسکی نمائندگی اس طرح کی جا رہی ہے تو دنیا کا دائرہ اسلام میں آنا تو درکنار خود مسلمان کا بھی اس دائرے میں رہنا مشکل ہے، کیونکہ ایک چھوٹے سے جاہل طبقہ کے سوا امانتہ الذاکر ان مسائل سے کیا محسوس ہو سکتی ہے کہ وہ ان کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کریں اور ان کے لیے لڑیں جھگڑیں۔

میں سائل کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کے مصنف اور محترف گروہ کے نام ظاہر نہیں کیے۔ فریقین کی شخصیت سے بے خبر ہو کر جو آگاہی کی جائیگی اس پر کسی کو یہ شبہ کرنیکا موقع نہیں مل سکتا کہ اس میں کسی کی جانبدارانہ یا مخالفانہ کی گئی ہے۔ میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح کے اعتراضات اوپر کے سوال میں درج کیے گئے ہیں، ایسے اعتراضات کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر کرنا یا ملحد اور دھریہ ٹھہرانا قطعاً ناجائز ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دین کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کفر، الحاد اور دہریت کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں، ورنہ وہ ان الفاظ کو اس طرح بے جا استعمال نہ کرتے۔ کفر سے مراد یہ ہے کہ جو تعلیم و ہدایت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کا انکار، یا اس سے معارفہ کیا جائے۔ الحاد یہ ہے کہ آدمی حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف مائل ہو (اور حق و باطل کا معیار پھر وہی علم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو)۔ دہریت یہ ہے کہ انسان خدا کا منکر ہو یا کائنات کے نظم و نسق میں خدا کی خدائی کو غیر موثر ماننا ہو۔ اب غور کیجیے کہ بعض آیات کی جو تفسیر اور نقل کی گئی ہیں ان میں سے کس میں کفر یا الحاد یا دہریت ہے؟

(۱) پہلی آیت کی تفسیر صحیح ہے یا غلط، اس کے یہاں کچھ بحث نہیں۔ مان لیجیے کہ غلط ہے۔ مگر کیا غلطی کفر یا الحاد یا دہریت ہی ہوتی ہے؟ مصنف نے حضرت ہنّٰیؓ کے ایک کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ لغت کے اعتبار سے درست ہے۔ بعض قدیم مفسرین نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ پھر وہ دوسرے فقرے (تَمَّ اجْعَلْ عَلٰی جِبَلٍ مِّنْہَا جَبًّا) کا وہی مفہوم بیان کر رہا ہے جو آیت کے الفاظ سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ کس طرح معجزہ ابراہیمی کا منکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ تاہم اگر مان لیا جائے کہ وہ اس آیت کی ایسی تاویل کرتا ہے جو اس خاص واقعہ کے معجزہ ہو تو تسلیم نہیں کرتی تب بھی الحاد کا الزام ثابت نہیں ہوتا۔ الحاد صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ نفس معجزہ کی حقیقت سے انکار کیا جائے۔ رہا فرداً فرداً ایک ایک معجزہ تو قرآن میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں اس امر میں اختلاف کی گنجائش ہے، اور اختلاف کیا بھی گیا ہے، کہ آیا انہیں معجزہ قرار دیا جائے یا معمولی فطری واقعات۔ لہذا اگر ایسے کسی موقع پر کوئی شخص آیت کی تاویل اس طرح کرتا ہو کہ ایک واقعہ معجزہ کے بجائے محض فطری واقعہ قرار پائے تو الحاد کا الزام لگانا درست نہیں۔ اسے محض غلطی کہا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسری آیت کی تفسیر بلاشبہ الفاظ قرآنی سے ہٹی ہوئی ہے۔ مگر اس کو بھی کفر کہنے کے بجائے غلطی کہنا چاہیے۔ کفر اس وقت ہوتا جب قرآن کے علی الرغم مصنف یہ کہتا کہ پہاڑ اور پرندے تسبیح نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے۔ ایسی کسی بات کا ارتکاب مصنف نے نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے اپنی عقل کے مطابق آیت کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نوع کی تاویلات پر اگر لوگوں کی تکفیر کی جانے لگے تو کسی شخص کا بھی کفر کے الزام سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن میں بہت سی ایسی آیات تشابہات ہیں جن کا مفہوم مختلف لوگ اپنی اپنی عقل

کے مطابق مختلف طور پر متعین کرتے ہیں۔ پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح کرنا ایک ایسا امر ہے جس کی کیفیت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر کوئی اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کے پاس بھی ویسی ہی دانہ دار تسبیحیں ہوتی ہیں جیسی ہمارے ہاں پھر کرتے ہیں، تو میں اسکی رائے کو غلط کہہ سکتا ہوں مگر اسکی تکفیر نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسکا مطلب یہ لیتا ہے کہ حکم الہی کے آگے انکا مستور ہونا ہی انکی تسبیح ہے اور اس تسبیح کے عالم میں انکو دیکھ کر حضرت داؤد پر یاد الہی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی (جیسا کہ اس تفسیر کے مصنف کا خیال ہے) تو میں اسکی رائے سے بھی اختلاف کر سکتا ہوں، مگر اسکی تکفیر نہیں کر سکتا۔ میں خود اس آیت کی تاویل یوں کرتا ہوں کہ حضرت داؤد کو اللہ نے بہترین سُرینی اور بلند آواز عطا فرمائی تھی۔ اس آواز کے ساتھ جب زبور پڑھتے تو وہ ادایاں گونج اٹھتیں، چرند پرند جمع ہو جاتا، اور تمام گرد و پیش کی چیزوں پر ایک مستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث ہوتی جس میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چلتے چلتے انکی آواز سن کر ٹھہر گئے اور کچھ دیر لطف لینے کے بعد فرمایا اللہ اوتیٰ ہننا من سارا من منرا میر الٰہ داؤد (اس شخص کو لحن داؤدی میں سے ایک حصہ ملا ہے)۔ یہ تاویل میرے ذوق اور بصیرت کے مطابق لکھی ہے۔ اگر کوئی اس کو پسند نہیں کرتا تو اسے غلط کہہ سکتا ہے مگر میری تکفیر نہیں کر سکتا۔

(۳) تیسری آیت کا جو مفہوم مصنف نے بیان کیا ہے وہ الفاظ قرآنی کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ صرف یہ ہیں کہ ”ہم نے اسکے لیے نوح کو نرم کر دیا“ رہا سلف کا یہ قول کہ ”حضرت داؤد کے ہاتھ میں آتے ہی لوہا آٹنے کی طرح نرم ہو جاتا تھا“، تو بلاشبہ یہ قول حسن بصری اور قتادہ اور اعمش وغیرہم سے منقول ہے، مگر یہ لوگ خدا کی طرف سے کب مبعوث ہوئے تھے کہ ان اقوال کو ترک کر دینے سے انسان کافر ہو جائے؟ قرآن میں تو کہیں اس مفہوم کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث اس معنی میں مروی ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ لوگوں کو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن اور قتادہ اور اعمش پر یہی ایمان نہ حضرت ابو موسیٰ بڑے خوش آواز شخص تھے۔ ابو عثمان نہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کوئی آواز ابو موسیٰ کی آواز سے بھی نہیں سنی۔

لانے کا پابند کیا جاتا ہے اور جو شخص انکے اقوال کو چھوڑتا ہے اسے بھی ویسا ہی کافر ٹھہرایا جاتا ہے جیسا اس شخص کو جو قرآن اور نبی کے ارشاد سے انحراف کرے؟

۴۴، اس آیت کی تفسیر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ بھی اتنا ہی لغو ہے جتنا آیت نمبر ۴ کی تفسیر ہے۔ آیت کے الفاظ مفہوم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا جب کسی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں جاتے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کا سامان موجود پاتے۔ اور جب حضرت مریم سے پوچھتے کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ جواب دیتیں کہ خدا کے پاس سے۔ اب رہا یہ امر کہ وہ کھانے کا سامان دراصل گرمی کا میوہ جارڈ میں اور جارڈ کا گرمی ہوتا تھا، تو یہ نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ کسی حدیث صحیح میں، بلکہ یہ قتادہ اور عکرمہ اور سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہم کا بیان ہے۔ تو کیا اب ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کرنے والے بھی کافر بنائے جائیں گے؟ اگر ایسا ہے تو آپ امام مجاہد کے حق میں کیا فرماتے ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا بزرگوں سے اختلاف کر کے ”رزق“ کی تاویل علم سے کی اور کہا کہ حضرت مریم کے پاس صحیفے پائے جاتے تھے جن میں علم ہوتا تھا؟ اور اس حدیث کے متعلق کیا ارشاد ہے جو جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے ہاں بھوک کی حالت میں تشریف لے گئے اور کچھ کھانے کو طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ والد کیر پاس کچھ نہیں ہے۔ حضور واپس تشریف لے گئے۔ اتنے میں حضرت فاطمہ کی ایک ہمسائی نے دو روٹیاں اور کچھ گوشت بیچ دیا۔ حضرت فاطمہ نے فوراً اپنے بچوں میں سے ایک کو دوڑایا کہ حضور کو واپس بلا لائیں۔ جب حضور تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے کھانا پیش کیا۔ آپ نے بوجھاکر بیٹی یہ کہاں آیا؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا یا ابا، ہاں عند اللہ (ابا جان، یہ اللہ کے ہاں سے آیا ہے)۔ اس پر حضور نے فرمایا بیٹی خدا کا شکر ہے جس نے تجھے سیدۃ نساء بنی اسرائیل (مریم علیہا السلام) کے مشابہ بنایا۔ ان کے پاس بھی جب خدا کی طرف سے رزق آتا اور ان سے بوجھا جاتا کہ یہ کہاں سے آیا ہے تو وہ کہتی تھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کو محبت بنا کر اگر کوئی کہے کہ حضرت مریم کے پاس پردہ غیب سے رزق نہیں اترتا تھا، بلکہ اللہ نے ان کے لیے ایسا سامان کر دیا

تھا کہ وہ بے سہارا اور بے وسیلہ ایک محراب میں بیٹھی ہوئی تھیں اور وقت پر کوئی نہ کوئی شخص ان کو کھانا پہنچا دیا کرتا تھا، تو کیا ایسی تاویل کرنے والے کو کافر ٹھہرایا جائیگا؟ پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ گرمی کا میوہ جارڈ میں اور جارڈ کا گرمی میں ملنا بجز خرق عادت کے اور کونسی خوبی اپنے اندر رکھتا ہے؟ اللہ نے جو میوہ جس موسم میں پیدا کیا ہے وہ اسی موسم کے لیے نعمت ہے، کیونکہ وہ اس موسم کی طبیعت کے لحاظ سے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرے موسم میں اس میوہ کا ملنا عجوبہ تو ہو سکتا ہے مگر نعمت نہیں۔

(۵) اس آیت کی تاویل میں امام رازی فرماتے ہیں :-

واعلم انه ليس في لفظ الآية ما	معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت کے الفاظ
يدل على كيفية تلك الا لواح وعلى كيفية	واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ لوہیں کسی تھیں
تلك الكتابة فان ثبت ذلك التفصيل	اور اس کتابت کی کیفیت کیا تھی۔ اب اگر کسی دوسری
بدليل منفصل قوي وجب القول به و	قوی دلیل سے یہ تفصیل ثابت ہو تب تو اس کا قائل
الا وجب السكوت عنه	ہونا چاہیگا ورنہ اس باب میں سکوت ہی مناسب ہے۔

کیا امام رازی کی بھی تکفیر کی جائیگی کہ انہوں نے بخاری کی حدیث مذکور کے ہوتے ہوئے کیفیت کتابت کی تفصیل کو غیر ثابت سمجھا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے نزدیک کسی حدیث کے الفاظ یا اسناد مشتبہ ہوں اور اس بنا پر وہ اس کا قائل نہ ہو تو اسے قول رسول کا منکر ٹھہرا دیا جائے؟ اس نوعیت کے کفر سے علماء سلف میں کونسا عالم اور امام بچ سکتا ہے؟ چھوٹے لوگوں کو چھوڑیے۔ بڑے بڑے ائمہ سے جن کی امامت صدیوں سے دنیائے اسلام میں قائم ہے، ایسے اقوال منقول ہیں جو بعض روایات کے خلاف پڑتے ہیں۔ کیا ان سب کو منکر فرمان رسول قرار دیا جائیگا؟

وہ حدیث جس سے معتز ظہن نے اسنذلال کیا ہے بخاری میں چار جگہ آئی ہے اور چاروں جگہ اس

کے الفاظ مختلف ہیں :-



کتاب القدر میں طاؤس ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں اصطفاک اللہ بکلامہ وخطاک  
بیدہ۔ خدا کا اپنے ہاتھ سے توراہ لکھنا صرف اسی روایت میں بیان ہوا ہے۔

کتاب التوحید اور احادیث الانبیاء میں حمید بن عبدالرحمن ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں  
اصطفاک اللہ برسالتہ و بکلامہ (یا برسالتہ و بکلامہ)۔ اس روایت میں ہاتھ سے توراہ  
لکھنے کا مضمون نہیں ہے۔

کتاب التفسیر میں محمد بن سیرین ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں اصطفاک اللہ برسالتہ و اصطفاک لنفسہ  
وانزل علیک التوراة۔ یہاں بھی ہاتھ سے توراہ لکھنے کا مضمون نہیں ہے۔

امام سلم نے کتاب القدر میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جو سب حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں اور ان میں سے تین اس  
مضمون سے خالی ہیں۔ دوسری حدیث میں بھی یہی حال ہے کہ اکثر آیات میں اسی کوئی عبارت نہیں جو ہاتھ سے توراہ  
لکھنے کی تصریح کرتی ہو۔ اس تقابلی سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ اول تو یہ حدیث باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی روایت ہوئی ہے، دوسری  
اشکوک ہو کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاک بیدہ یعنی اللہ نے توراہ اپنے ہاتھ سے آپ کو لکھ دی تھی) کے الفاظ فرما  
تے یا نہیں۔ پس انتہاء وجہ کی برہمیا علی بلکہ جرم ہے کہ ایسا ایک شتبار کی بنیاد پر مسلمان کی تکفیر کی جائے۔

(۶) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنا کر مصنف کی تکفیر کی گئی ہے۔ حالانکہ  
خود حضرت ابن عباس سے تین مختلف قول منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شاہد جس نے حضرت یوسف  
اور امراة العزیز کے معاملہ میں فیصلہ دیا تھا، ذوالحجہ (ڈاڑھی والا) تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شاہ  
مصر کے مصاحبوں میں سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ”ایک بچہ تھا گھوڑے میں“۔ اب کیوں نہ معتز ضیق جرات  
کیسے خود حضرت ابن عباس ہی کی تکفیر کریں؟ اور کیوں نہ ساتھ ہی مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، محمد بن اسحاق  
سُدی اور زید بن اسلم کو بھی لپیٹ لیں کیونکہ یہ سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ وہ بچہ نہ تھا بلکہ مرد تھا؟

کس قدر انوس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی ماحسن کہ جس کا

ذکر تک ضروری سمجھا اس کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اگر کوئی شخص اسے نظر انداز کر دے تو اسے ذمہ  
 ٹھہرایا جائے۔ قرآنِ اوقات کی غیر ضروری تفصیلاً کو عموماً چھوڑ دیتا ہے، اور صرف ان اہم اجزاء کو بیان کرتا  
 ہے جو نفسِ مقصود سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بعض مفسرین کا ذوق اس طرح کا ہے کہ وہ ان غیر ضروری تفصیلاً  
 کا کھوج لگاتے ہیں جنہیں قرآن نے نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو چار پزندے  
 لینے کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ جس غرض کے لیے بیان کیا گیا ہے اس میں یہ تفصیل غیر ضروری تھی کہ وہ پزندے  
 کون کون سے تھے۔ مگر بعض مفسرین معلوم نہیں کس جگہ سے پتہ چلایا کہ وہ پزندے مور اور کوا اور کبوتر وغیر  
 تھے۔ اسی طرح قرآن حضرت یوسف کے واقعہ میں صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ ایک شاہد نے قرآن کی شہادت  
 حضرت یوسف کی برائت ثابت کی۔ اس میں یہ سوال کہ شاہد کی عمر کیا تھی بالکل غیر اہم تھا اس لیے قرآن نے  
 اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مگر بعض مفسرین شاہد کی عمر کا کھوج لگانا بھی ضروری سمجھا۔ ایسی باتوں سے جس شخص  
 کو دلچسپی ہو وہ مفسرین کے اقوال کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن یہ کیا ظلم ہے کہ جو لوگ ان اقوال کو نظر  
 انداز کر دیں اور صرف انہی امور تک تفسیر کو محدود رکھیں جنہیں قرآن نے بیان کیا ہے تو انکی تکفیر کی جائے؟  
 اور پھر تکفیر بھی اس بنیاد پر کہ تم نے سلف کے قول سے انحراف کیا ہے؟ آخر معلوم تو ہو کہ یہ سلف کون سے  
 انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے؟

(۷) ساتویں آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

”وکیا یہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ملائکہ آئیں یا تیرا رب (خود) آجائے

یا تیرے رب کی بعض کھلی نشانیاں آجائیں؟ جس روز تیرے رب کی بعض کھلی نشانیاں آجائیں

اس روز تو کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا

جس نے اپنے ایمان میں کسی بھلائی (یعنی عمل صالح) کا اکتساب نہ کیا ہو۔“

خط کشیدہ فقرے میں جس دن کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ دن بھی ہو سکتا ہے جب خدا کا

عذاب سر پر آجائے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے فَلَمَّا يَكْتُبُ يَنْفَعُهُمْ أَيَّمَا الْغَمِّ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (المومن - ۹) اور اس سے مراد موت کا وقت بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد ما لم یغسغ، یعنی جب جاں کنی شروع ہو جائے اور حلق میں گھونگر بولنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ اور اس سے مراد وہ وقت بھی ہو سکتا ہے جب قیامت کی کھلی ہوئی علامات ظاہر ہونے لگیں، جیسا کہ اُس حدیث میں مذکور ہوا ہے جس کا حوالہ معتز ضنین نے دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان معانی میں سے ایک معنی بیان کرتا ہے اور دوسرے معانی کی تکذیب نہیں کرتا تو آخر اسکی تکفیر کس بنا پر کی جاتی ہے؟ جبکہ قرآن کے الفاظ تینوں معنوں کے محتمل ہیں، اور ہر معنی کی تائید قرآن یا حدیث سے ہوتی ہے، تو ان تینوں میں سے ایک معنی بیان کرنے والا آخر کس جرم کی پاداش میں کافر ہو جائیگا؟

(۸) آٹھویں آیت کے جو معنی مصنف نے بیان کیے ہیں وہ الفاظ قرآنی کے بالکل مطابق ہیں، اور اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہیں جس کا حوالہ معتز ضنین نے دیا ہے۔ وہ حدیث اس آیت کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالتی ہے، یعنی یہ کہ جہات اخروی کے دروازہ میں قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ مومن کو کلمہ توحید سے کس طرح ثبات بخشنے لگا، سو مصنف اس کا منکر نہیں ہے، وہ بھی آخرت میں ثبات بخشنے جانے کا قائل ہے۔ البتہ اگر معتز ضنین اس حدیث کو محبت بنا کر دنیا کی زندگی میں کلمہ توحید سے ثبات حاصل ہونے کا انکار کرتے ہیں تو وہ خود قرآن کی تکذیب کے مجرم ہیں، کیونکہ قرآن فی الحیوۃ الدیناوی الاخریٰ کہہ رہا ہے، اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو فی الحیوۃ الدیناویٰ کی تردید کرتا ہو۔

یہ سخت جہالت کی بات ہے کہ بعض آیات کی تفسیر میں جو احادیث یا آثار منقول ہیں ان کو حصر کے معنی میں لے لیا جائے اور یہ گمان کر لیا جا کہ ان آیات کوئی مفہوم اُس مفہوم کے سوا یا اُس مفہوم سے زائد نہیں ہے جو ان احادیث یا آثار میں بیان ہوا ہے۔ جو لوگ تفسیروں میں کوئی حدیث یا اثر دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ آیت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے، اور اس کا نام یا اس سے مختلف مفہوم بیان کرنے والے کو حدیث

یا اثر کا منکر قرار دیتے ہیں وہ دراصل سلف کے طریقہ سے ناواقف ہیں اور اپنے جہل کی گند چھری سے  
بندگان خدا کے ایمان کو ذبح کرتے ہیں۔ انہیں علامہ ابن قیم کے ان الفاظ کو غور سے پڑھنا چاہیے:

”ابن عباس اور دوسرے بزرگان سلف کا طریقہ یہ ہے کہ بسا اوقات وہ آیت کے معانی  
اور دلائل میں سے کسی ایک چیز کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ مگر ناواقف لوگ اس غلط فہمی  
میں پڑ جاتے ہیں کہ آیت کا کوئی اور مفہوم اس معنی کے سوا نہیں ہے۔“ (اعلام الموقعین - جلد اول ص ۹۰)

(۵) البیت المعمور کی تفسیر پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ بھی اسی نوعیت کا ہے جیسا نمبر ۴ میں مذکور ہوا۔

حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ بیت المعمور آسمان میں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیت المعمور زمین  
میں نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں بھی ہے۔ حصر کا پہلو اختیار کرنا محض نادانیت کی دلیل  
ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اور دو سکر معانی کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ ایک شخص بیت المعمور سے مراد بیت اللہ  
بھی لے سکتا ہے۔ پوری زمین کو بھی بیت المعمور قرار دے سکتا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ البیت کا الف لام  
تعریف جنس کے لیے ہے اور اس سے مراد ہر آباد جگہ ہے۔ یہ سب معانی اس مقصود سے مطابقت رکھتے  
ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے البیت المعمور کی قسم کھائی ہے۔ پھر آخر کس دلیل سے انسان پر دوسرے  
تمام معانی کا ورود ازہ بند کیا جاسکتا ہے؟

مزید برآں یہ کتنی زیادتی ہے کہ جو شخص کسی حدیث کے بارے میں ساکت ہو اسے حدیث کا منکر  
یا مکذب ٹھہرا دیا جائے۔ کیا سکوت کے معنی صرف انکار اور تکذیب ہی کے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اسے  
اس حدیث کا علم نہ ہو؟ اور اگر بالفرض وہ اسی لیے سکوت اختیار کرتا ہے کہ وہ اس حدیث کا قائل نہیں ہے؟  
تب بھی اس کی تکفیر کیسے کی جاسکتی ہے؟ تکفیر صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ شخص حدیث کو صحیح مانے  
اور پھر یہ کہے کہ جو بات رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے اس کو میں تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اگر وہ اس امر میں شک  
رکھتا ہو کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس بنا پر حدیث کو رد کرتا ہو تو اسے

کفر یا الحاد کا الزام کیسے دیا جاسکتا ہے ؟

اس بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کفر، الحاد اور دہریت جن چیزوں کا نام ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ان عبارات میں نہیں پائی جاتی جو زیر بحث تفسیر سے سائل نے نقل کی ہیں۔ اس کے مصنف کی بعض باتوں کو غلط کہا جاسکتا ہے، مگر کسی چیز کا غلط ہونا اور چیز ہے اور اس کا کفر یا دہریت یا الحاد ہونا اور چیز۔ جو شخص قواعد شرعیہ سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ ثبوت کفر کے لیے کن چیزوں کا مستحق ہونا ضروری ہے وہ ہرگز یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ جہاں اپنے نزدیک کوئی بات غلط پائے وہاں کفر کا حکم لگا دے۔ مگر یہ مسلمانوں کی سخت بد قسمتی ہے کہ جو لوگ ان کے مقصد بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو حقیقتہً قواعد شرعیہ سے ناواقف ہیں اور صرف حمل اسفار کی حد تک علم رکھتے ہیں، اور بعض ذی علم تو ہیں مگر خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتے، اس لیے انہوں نے اپنا یہ شیوہ بنا لیا ہے کہ جہاں کسی سے ناراض ہو، اور بلا تامل اس کے خلاف کفر کا حکم صادر کر دیا۔ یہ لوگ بے تکلف کفر والوں کے الفاظ کو غلط کے معنی میں بولتے ہیں ہر وہ چیز جو ان کی رائے میں غلط ہے وہ یا تو کفر ہے یا الحاد یا دہریت۔ بہت زعم کریں گے تو فسق اور گمراہی کا حکم لگا دینگے۔ اس کے کم وزن کا کوئی لفظ انکی لغت میں ہے ہی نہیں۔

جو لوگ ترجمان القرآن کی روش سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کے جھگڑوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں۔ اپنے طریقے سے ہٹ کر آج اس بحث میں چند صفحے سیاہ کرنے سے میرا مقصد اس خاص مقدمہ میں دخل دینا ہرگز نہیں ہے جسے سائل نے اپنے سوال میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ ایسے مقدمات تو ہندوستان میں اس کثرت سے چھڑے ہوئے ہیں کہ انکا تصفیہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ میرا مقصد اس بحث سے صرف یہ ہے کہ اول تو میں ان علماء کرام سے اپیل کرنا چاہتا ہوں جو اس قسم کے جھگڑے مسلمانوں میں برپا کر کے اسلام کی طاقت کو نقصان پہنچاتے ہیں اور دنیا کی لٹکا ہوں میں اپنے ساتھ اپنے دین کو بھی مضحکہ بناتے ہیں۔ اسکے ساتھ میں علم مسلمانوں کو بھی تباہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مولوی صاحبان عالم پر سائل کو چھڑ کر انہیں آپس میں لڑاتے ہیں وہ کس قدر بے حقیقت ہیں اور ان میں الجھ کر اپنا دقت اور رویہ برپا کرنا اور اپنی قوی طاقت کو ضائع کرنا کیسی حماقت ہے کہ دنیا میں بھی اس رسوائی ہو اور خدا بھی خوش نہ ہو۔